رجسٹرڈ نمبر اے ۲۰۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب وطن از ملکِ سلیماں خوشتر | خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی می کرد | می گفت گدا بودنِ کنعاں خوشتر

کاکوری اخبار

پانزدہ روزہ

سالانہ چندہ ۲
قیمت فی پرچہ ۲/

جلد ۹ | کاکوری شنبہ یکم اگست سنہ ۴۲ء مطابق ۱۷ رجب سنہ ۱۳۶۱ھ | نمبر ۷

ادبیات

غزل افتخار الشعراء منشی عبدالوحید علوی صاحب نیرنگ کاکوروی

یہ ابر تر یہ نے نوشگوار کچھ بھی نہیں
بغیر یار کے لطف بہار کچھ بھی نہیں

بشکلِ آئینہ باطن ہو میرا زنگ سے پاک
وہ صاف دل ہوں کسی سے غبار کچھ بھی نہیں

ہمارے اشکِ مسلسل کی خوب قدر ہوئی!
وہ ہنس کے کہتے ہیں کہ یہ آبشار کچھ بھی نہیں

بگڑ کے بنتے ہیں بن بن کے پھر بگڑتے ہیں
ریاضِ دہر کے نقش و نگار کچھ بھی نہیں

رکی رکی ہے طبیعت بھری بھری ہے نظر
اور آپ کہتے ہیں دل میں غبار کچھ بھی نہیں

حسابِ زیست کی تفہیم سخت مشکل ہے
نفس کی آمد و شد کا شمار کچھ بھی نہیں

۴ فقط یہ چار ہی دن کی بہار تھی نیرنگ
نہ گل رہے نہ صدائے ہزار کچھ بھی نہیں

محبت

دیکھنے میں "تو تو" ایک چھوٹا سا چار حرفی لفظ ہے۔ لیکن جب تیرے تمام معنی اور راز ہم پر آشکارہ ہو جائیں "تو تو" کیا بے قہر ہے۔ بلا ہے۔ غضب ہے۔ تو وہ آگ ہے جس کا ٹھنڈا ہونا ناممکن ہے۔ تو وہ زخم ہے جس کا بھرنا ممکن ہی نہیں۔ آہ....... تو نہایت سنگدل ہے۔ دنیا تجھے خوبصورت ناموں سے تعبیر کرتی ہے۔ اور تجھے قدرت کا بیش بہا عطیہ سمجھتی ہے..... مگر میرے دل سے پوچھ کہ تجھے کس نام سے موسوم کرتا ہوں آہ...... تو اجل سے کم نہیں۔ تو اسی طرح بے رحم ہے جس طرح "وہ"

اجل زندگی کو پامال کرتی ہے تو دلوں کو۔ وہ تکلیفوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اور تو تکلیفوں اور مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے۔ وہ دائمی نیند عطا کرتی ہے۔ تو شبِ بیداری۔ آہ...... تو اس سے بڑھ کر بے رحم ہے۔

(گمنام کاکوروی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاکوری اخبار

جلد ۹	یکم اگست سنہ ۱۹۴۲ء	نمبر ۷

الزام نہ دو نمونہ پیش کرو

ہمعصر اخبار "زمزم" نے اپنے اخبار میں ایک مضمون مذکورالصدر سرخی سے لکھا ہے جس کو ہم اپنے ناظرین کے اضافۂ معلومات کیلئے اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ (اڈیٹر)

کہا جاتا ہے کہ ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ مسلمانوں کو ذہنی۔ اخلاقی سیاسی اور مادی غلبے حاصل تھے کہ دوسری قومیں اُنکا اتباع کرنا فخر سمجھتی تھیں۔ اور مسلمانوں کا علم و تحقیق۔ تہذیبی و اخلاقی معیار دوسروں کے لیے مایۂ ناز تھے۔ لیکن آج مسلمان ایسا ذہنی غلامی میں پھنسا ہوا ہے کہ اپنی خود رہنمائی و قیادت سے معذور نظر آرہا ہے۔ صورت و سیرت ایسی مسخ ہو چکی ہے کہ دنیا اُس کی پیروی کی جانب متوجہ ہی نہیں ہوتی۔ پہلے مسلمان اپنے دماغ سے کام لیکر سوچتے اور غور و خوض کرتے تھے اب مغربیت کا رنگ ایسا غالب ہوگیا ہے کہ اگر کبھی کچھ سوچا بھی تو مغرب کے دماغ سے۔ حق و باطل کی تمیز بھی یورپی نقطۂ نظر سے ہونے لگی ہے۔ اب وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ یورپ کے علم و فنون اور افکار و نظریات ہی حقیقی طور پر معیار زندگی کہے جانے کے مستحق ہیں۔ اور اس بات پر فخر ہے کہ اُنکا تمدن اور نظام معاشرت مغربی تہذیب کے سانچے میں ڈھل گیا ہے اور مدتوں کے بعد مسلمانوں کو مغرب کی بدولت روشن خیال بننے کا موقع ملا ہے۔ جس نے انکی ہمت، عالی حوصلگی اور بلند خیالی کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اِن حالات کے باوجود مسلمانوں کو اپنی پستی کا احساس ہے اور ترقی کے لئے اب ہاتھ پیر مار رہے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہر طبقہ اپنے کو پاک و صاف سمجھ کر تمام الزام دوسرو نپر رکھتا ہے اور اصلاح کے دعویدار قوم کے سامنے اپنا کوئی نمونہ پیش نہیں کرتے۔ عوام و خواص اور جاہل و عالم سب ہی اپنے خیال میں مست ہیں اور ہر شخص ایک دوسرے کو ملزم قرار دے رہا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے کمزور پہلو کو طاقتور بنانے کی کوشش کریں اور معاشی حیثیت کو بلند کرنے کی جد و جہد کی جائے صرف تحریر و تقریر یا کانفرنسوں و رزدلیوشنوں سے نہیں بلکہ عمل کر کے دکھائیں۔ نمونہ بنکر اسٹیج پر آئیں۔ یہ کام علماء کرام اور لیڈروں کا ہے کہ وہ مسلمانوں میں معاشی اور اقتصادی روح پھونکیں۔ اور ہر ادارہ متحد ہو کر ایسی تحریکات کو جو مسلمانوں کی حالتوں کو سدھارنے والی ہوں فروغ دینے کی سعی عمل کریں اور نہ صرف عوام کو تلقین کریں بلکہ انکے سامنے نمونہ پیش کر دیں وہ اس طرح پر کہ ہر ادارہ اپنی اپنی جگہ پر ایک ایک صنعت کے کارخانے کھولنے کی ذمہ داری اپنے سر لیکر عملی طور پر اسمیں منہمک ہو جائے اور قوم کو دکھا دیں کہ یوں کام کیا جا سکتا ہے یعنی کوئی ادارہ اگر کپڑہ بننے کی ملز کھولنے کے لیے تیار ہو تو دوسرا شکر سازی کا کارخانہ شروع کرے تو تیسرا ادارہ کاغذ سازی کے کارخانہ کی ابتدا کرے تو چوتھا دیگر صنعتی کارخانوں کے قائم کرنے کا انتظام کرے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر قوم کو تلقین و ہدایت کی چنداں ضرورت نہ ہوگی بلکہ یہ عملی نمونے خود قوم و ملک کے لئے سبق ہونگے۔ اور اس طرح اقتصادی تحریک کا نظام فروغ پا سکے گا اور تمام مشکلات پر غلبہ حاصل ہو جائے گا اور پھر اس کا موقع نہ رہے گا کہ ایک ادارہ دوسرے ادارہ کو یہ الزام دے سکے کہ عمل کر کے دکھاؤ۔

سمندر کی پریاں

سمندر کی تھاہ میں۔ جو مشرقی جزائر کے قریب ہے اور جہاں بکثرت موتی پائے جاتے ہیں۔ ایک نوجوان کا ڈھانچہ بگڑی ہوئی شکل و صورت میں پڑا تھا اُسکے قریب سمندر کی پریاں اپنے سنہرے بال کھولے اموتیوں کے سبزہ زار پر بیٹھی ہوئی ڈھانچہ کو اپنی خوبصورت نیلگوں آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں اور سریلی آوازمیں باتیں کر رہی تھیں۔ گفتگو کو سمندر نے اپنی موجوں کے ذریعہ ساحل پر پھیلا دیا۔ جہاں سے کہربائی ہوائیں مجھ تک پہونچا گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا "یہ شخص کل اس وقت سمندر میں اترا تھا جب سمندر غصہ میں تھا"۔ دوسری بولی "سمندر غصہ میں تو نہیں تھا، ہاں! انسان۔ جو اپنے کو خدا کا خلیفہ کہتا ہے۔ ایک خوفناک

جنگ میں مصروف ہے جس میں اتنا خون بہا کہ سمندر کا پانی سرخ ہو چلا ہے یہ شخص شاید اسی جنگ کا ایک مقتول سپاہی ہے"! تیسری نے کہا" مجھے جنگ دنگ کی کوئی خبر نہیں ہے۔ ہاں اتنا جانتی ہوں کہ" انسان" نے ساری خشکی پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد سمندر پر بھی غلبہ پانیکی خواہش کی۔ عجیب وغریب آلے تیار کئے اور سمندر کو کاٹنے کی کوشش کی جب "بنتون"۔ الناجار۔ کو خبر معلوم ہوئی تو وہ اس سرکشی پر غصہ ہوا۔ اب "انسان" کو ہمارے بادشاہ کی رضامندی کے لئے کوئی چارہ ہی نہیں رہا سوائے بھینٹ اور قربانی کے۔ وہ اعضا جنہیں ہم نے کل پانی پر دیکھا تھا آخری پیشکش ہیں انسان کی طرف سے بنتون اعظم کی خدمت میں۔

پھر پریوں نے انسانی ڈھانچہ کو قریب آکر دیکھنا شروع کیا اور اُسکے کپڑوں کی تلاشی لی، سینے سے لگے ہوئے کپڑے کے اندر ایک خط رکھا ہوا تھا۔ ایک نے بڑھ کر خط اُٹھالیا اور پڑھنا شروع کیا۔

اے محبوب! آدھی رات آگئی ہے اور میں جاگ رہی ہوں، میرے آنسوؤں کے علاوہ کوئی مجھے تسلی دینے والا نہیں ہے! جنگ کے چنگل سے تمہارے زندہ وسلامت واپس آنیکے علاوہ کوئی مجھے پُرسا دینے والا نہیں ہے! محبت نے ہمارے دلوں کو ملایا تھا اور ہم اُمید کر رہے تھے کہ ہمارے جسم بھی ایسے مل جائیں گے کہ دونوں میں ایک ہی روح دوڑے گی، دفعتاً! اُسی وقت جنگ نے تم کو پکارا اور تم اس آواز کے پیچھے "فرض" اور "وطن" کے جذبات لیکر دوڑے! کیا اسی کو "فرض" کہتے ہیں جو دو محبت کرنیوالوں میں جدائی ڈال دے! جو عورتوں کو بیوہ کردے اور بچوں کو یتیم بنا دے!! کیا "وطنیت" اسی کا نام ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے جنگ چھیڑ کر لوگوں کو تباہ وبرباد کیا جائے۔ اور شہر کو غارت کیا جائے۔ یہ کیا اہم فرض ہے" جو غریب دیہاتی کے لئے تو ضروری مگر اس کی بہ نسبت بڑے گھرانوں اور مالداروں کے لئے ضروری نہیں ہے! اگر "فرض" قوموں کے درمیان صلح کو روکتا ہے۔ اگر "وطنیت" حیات انسانی کے شیرازہ کو منتشر کرتی ہے تو دور ہی سے سلام! ایسے "فرض وطنیت" کو نہیں نہیں!! اے میرے محبوب!!! تم میری باتوں کی بالکل پرواہ نہ کرو۔ میں بک رہی ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ۔ وطن کے لئے اور بہادر ہو جاؤ اور اس لڑکی کی باتوں کو نہ سنو جسے محبت نے اندھا کردیا ہے اور جدائی نے جسکی عقل پر پتھر مارے ہیں۔

اگر اس زندگی میں محبت تم کو زندہ وسلامت واپس نہیں کرے گی تو دوسری زندگی میں محبت ہم دونوں کو ضرور ملا دیگی ـــ سمندر کی پریوں نے خط کو نوجوان کے کپڑوں میں اسیطرح رکھ دیا اور اُداس وخاموش واپس چلی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں سے ایک نے کہا یہ انسان" تو بنتون اعظم" سے بھی زیادہ سخت دل ہے"!

(ترجمہ" ماخوذ از رسالہ اضطراب")

خاص کاکوری اخبار کے لئے

کابلی والا

(از ٹیگور)

مترجمہ ایچ۔ ایس۔ بخاری عباسی صاحبہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ خزاں کے دن تھے۔ وہی زمانہ جب پُرانے زمانے کے بادشاہ فتوحات کی غرض سے باہر نکلتے تھے۔ میں اپنے چھوٹے سے گوشہ سے جنبش کیئے بغیر اپنے دماغ کو تمام دنیا کی سیر کرنیکی اجازت دے دیتا تھا۔ ایک دوسرے ملک کا نام سنتے ہی میرا ملک وہاں پہونچ جاتا تھا۔ اور ایک غیر ملکی کو سڑک پر دیکھتے ہی میں خیال ہی خیال میں وہاں جانے کے خواب دیکھنے لگتا ـــ پہاڑیاں۔ وادیاں، اور دور دراز زمین کے جنگلات جن کے درمیان میں اس کا جھونپڑا ہوتا ہوگا۔ اور آزاد وخود مختار زندگی جو دور دراز کے جنگلوں میں بسر ہوتی ہوگی ـــ سفر کے نظارہ میرے سامنے طلسمی کیفیت سے آموجود ہوتے ہیں اور دوبارہ سہ بارہ خیالات میں نہایت صفائی سے گذرتے ہیں۔ کیونکہ میں ایک ایسی زندگی بسر کرتا ہوں جو نباتات سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ اور ایک پودے کے لیے سفر کا پیغام۔ پیغام مرگ ہے۔

اس کابلی کی موجودگی میں میرے خیالات اکدم فلک شکوہ پہاڑیوں سے ہم آغوش ہو جاتے جن میں اندر اور باہر آتی اور پیچ وخم کھاتی ہوئی پگڈنڈیاں چوٹیوں کی آسمان سے باتیں کرنے والی بلندی میں خالی خالی نظر آجاتیں۔ میں اونٹوں کی قطاروں کو سامان تجارت لیکر چلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ کچھ لوگ عجیب وضع کے ہتھیار اور کچھ لوگ بھالے لئے ہوتے اور پہاڑوں کی سرزمین سے میدانوں کی طرف سفر کرتے ہوتے تھے۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ .... مگر کسی ایسے مضمون پر

منی کی ماں دخل در معقولات کرکے مجھے اس آدمی سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرنے لگتی۔

بدقسمتی سے منی کی ماں بہت سادہ لوح ہے۔ جب وہ سڑک پر کسی طرح کا شور سنتی ہے یا لوگوں کو مکان کی طرف آتے دیکھتی ہے تو وہ ہمیشہ اس نتیجہ پر پہونچ جاتی ہے کہ وہ یا تو چور ہیں یا شرابی یا سانپ۔ باشیر۔ یا ملیریا یا جراثیم یا کوڑے! اور اب بھی جب کہ وہ اتنے سال کے بعد کافی تجربہ کار ہو گئی ہے وہ اپنے خوف پر غالب نہیں آسکتی۔ وہ اس کابلی کے متعلق وہم اور شبہ سے پریشان تھی اور ہمیشہ مجھ سے التجا کرتی تھی کہ میں اسکی طرف سے احتیاط رکھا کروں

اگر میں ہنس کر اس کا خوف ٹال دینا چاہتا تو وہ سنجیدگی سے باتیں کرنے لگتی۔ اور مجھ سے موثر سوالات کرتی۔

"کیا بچے کبھی پکڑے یا چرائے نہیں گئے؟" "کیا یہ صحیح نہیں کہ کابل میں بچوں کو غلام بنانے کا رواج ہے؟" "کیا یہ اتنا ہی بے معنی تھا کہ ایک طاقتور شخص ایک ذرا سے بچے کو اٹھالے جانے میں کامیاب ہوجائے؟"

میں نے کہا کہ گو ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے مگر تقریباً ناممکن ضرور ہے۔ مگر اتنا کافی نہ تھا۔ اور اس کا خوف قائم رہا۔ چونکہ یہ خوف نہایت لایعنی تھا اس لئے میں نے کابلی کو اپنے گھر آنے سے منع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور ان دونوں کی دوستی بے روک ٹوک قائم رہی۔

سال میں ایکمرتبہ وسط جنوری میں رحمان 'کابلی' اپنے وطن جایا کرتا تھا۔ اور جب یہ وقت نزدیک آتا تو وہ بہت مصروف رہتا کیونکہ اُسے گھر گھر جاکر اپنا قرضہ وصول کرنا ہوتا تھا۔ بہرحال اسے اس مرتبہ آکر منی سے مل جانے کا وقت ہمیشہ مل جاتا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک اجنبی انہیں دیکھ کر یہ خیال کرتا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی سازش جاری ہے۔ کیونکہ جب رحمان صبح کو نہ آسکتا تو شام کو ضرور آتا۔

کبھی کبھی یہ میرے لئے بھی باعث پریشانی ہوتا کہ طویل ڈھیلے ڈھالے کپڑوں والا آدمی، اپنے تھیلوں سے لدا ہوا، اندھیرے کمرے کے ایک کونے میں مجھے آتا دیکھ کر گھبرا جاتا تھا۔ مگر جب منی مسکرا کر یہ کہتے ہوئے دوڑتی "کابلی۔ او کابلی!" اور دونوں دوست جنکی عمروں میں اتنا تفاوت تھا۔ اپنی مانوس ہنسی ہنستے اور اپنا پرانا مذاق شروع کرتے تو پھر مجھے ان کی معصومیت کا یقین آجاتا۔

ایک صبح کو رحمان کے جانے سے چند روز قبل میں اپنے کمرے میں بیٹھا پروف کے کاغذ صحیح کر رہا تھا۔ موسم بے حد سرد تھا، کھڑکی میں سے سورج کی کرنیں میرے پیروں پر پڑ رہی تھیں اور انکی یہ ہلکی ہلکی گرمی نہایت خوشگوار تھی۔ تقریباً آٹھ بجے تھے اور صبح چند لوگ اپنے سر ڈھکے ہوئے واپس آرہے تھے۔ اچانک میں نے سڑک پر ایک شور سنا اور باہر نظر ڈالنے پر دیکھا کہ رحمان دو لال پگڑی والوں کے درمیان چلا جا رہا ہے۔ اس کے پیچھے دخل در معقولات کرنے والے لڑکوں کا ایک گروہ تھا۔ رحمان کے کپڑوں پر خون کے دھبے تھے اور ایک سپاہی کے ہاتھ میں ایک چاقو تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں جلدی سے باہر نکلا اور انھیں روکتے ہوئے دریافت کیا کہ اس کے کیا معنے ہیں۔ کچھ ایک سے اور کچھ دوسرے سے تھوڑا بہت سنکر میں نے یہ اخذ کیا کہ ایک ہمسائے کو پھیری والے کو ایک رامپوری شال کی قیمت ادا کرنا تھی اور وہ اس کی ادائیگی سے انکار کرتا تھا۔ جھگڑے میں رحمان نے اُسے زخمی کر دیا تھا۔ ۔ ۔ قیدی نے غصہ میں مجرم کو گالیاں دینا شروع کیا ہی تھا کہ ایک دم سے میری منی اپنے خاص طرز ادا میں "کابلی۔ او کابلی" کہتی ہوئی میرے گھر کے برآمدے میں ظاہر ہوئی۔ رحمان جونہی پیچھے کی طرف مڑا اسکے چہرے پر چمک آگئی۔ آج اس کے کاندھے پر کوئی تھیلا نہ تھا۔ اس لئے منی اس سے ہاتھی کے متعلق باتیں نہ کرسکی۔ اور اس نے فوراً ہی دوسرا سوال کردیا "کیا تم اپنی سسرال جارہے ہو؟" رحمان نے ایک تلخ ہنسی ہنس کر کہا "ننھی بچی۔ تم نے خوب پہچانا! میں وہیں جارہا ہوں!" اور پھر یہ دیکھ کر کہ بچی اس کے جواب سے محظوظ نہیں ہوئی اُس نے اپنے ہتھکڑی پڑے ہوئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بولا "ہونہہ! میں نے اپنے خسر کا سر پھوڑ دیا ہوتا لیکن میرے ہاتھ بندھے ہیں!"

قتل عمد کے الزام میں رحمان کو کئی سال کی سزا کا حکم ہوا۔

زمانہ گذرتا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا معمولی کام موجودہ مقام پر چلتا رہا۔ اور کسی زمانہ میں آزاد لیکن اب مقید کابلی کا خیال بھی کبھی ہم لوگوں کے دماغوں میں نہ آیا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میری زندہ دل منی بھی اپنے

معمر دوست کو بھول گئی۔ اس کی زندگی میں نئے دوستوں کا اضافہ ہوگیا۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اس کا زیادہ تر وقت لڑکیوں کے ساتھ گذرنے لگا۔ اسقدر زیادہ کہ وہ پرانے معمول کے مطابق اب اپنے پتا کے کمرہ میں بھی نہ آتی اور مجھے بمشکل اس سے بات کرنے کا موقع ملتا تھا۔

کئی سال گذر گئے ...... اب پھر خزاں کا موسم تھا۔ ہم نے اپنی بیٹی کی شادی کے لئے سب انتظام کر لیا تھا۔ شادی "پوجا" کی چھٹیوں میں ہونیوالی تھی۔ درگا کی کیلاش کو واپسی کے ساتھ ہی ہمارے گھر کی شمع بھی اپنے شوہر کا گھر روشن کرے گی اور اپنے باپ کے گھر کو تاریکی میں چھوڑ جائے گی ......

صبح نہایت روشن تھی۔ اور بارش کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ ہوا دھل کر صاف ہوگئی ہے۔ سورج کی زریں کرنیں اصلی سونے کی طرح معلوم ہو رہی تھیں۔ اور اسقدر چمکدار تھیں کہ انھوں نے کلکتہ کی گلیوں کی پکی اینٹوں کی دیواروں کو روشن کر دیا تھا۔ صبح سویرے سے شادی کے باجے بج رہے تھے۔ ہر مرتبہ شہنائی کی آواز پر میرے دل کی دھڑکن بڑھتی جاتی تھی۔ بھیرویں کی تانیں اس ناقابل بیان تکلیف کو جو میں اس آنیوالی جدائی پر محسوس کر رہا تھا برابر تیز تر کرتی جا رہی تھیں —— اس رات میری بیٹی کی شادی ہونیوالی تھی۔

مکان صبح سے شور و غل سے گونج رہا تھا۔ صحن میں بانسوں پر قناتیں استادہ کی جا رہی تھیں۔ کمرے اور برآمدے میں جھاڑ فانوس سجائے جا رہے تھے۔ عجلت اور گھبراہٹ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ میں اپنے کمرہ میں بیٹھا حساب پر نظر ڈال رہا تھا کہ کوئی شخص داخل ہوا اور میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ یہ رحمان کابلی تھا۔ پہلے پہل میں اسے پہچان نہ سکا۔ اس کے پاس کوئی تھیلا نہ تھا۔ اس کے لانبے بال تراش کر چھوٹے کر دیئے گئے تھے اور اس کی پہلی سی تیزی اور چستی معدوم ہو چکی تھی۔ لیکن وہ اپنے مانوس انداز میں مسکرایا اور میں اسے پہچان گیا۔

"رحمان تم کب آئے؟" میں نے اس سے پوچھا۔ "کل شام کو" اس نے جواب دیا۔ "میں جیل سے چھوڑ دیا گیا"۔

(باقی آئندہ)

نفسیات

خلوص و یگانگی پیدا کرنے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ انسان دوسرے کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے۔

انانیت بری چیز ہے لیکن اگر اس سے کوئی مقصد پورا ہو تو کیا پرواہ۔

کھلونے کھیلنے کا شوق ہر سن میں رہتا ہے۔ کمسنی میں بیجان کھلونے۔ آگے چل کر جیتے جاگتے کھلونوں سے دل بہلتا ہے۔

جہاں ضابطہ مجبور نہ کرے وہاں کسی کو بیجا تکلیف کیوں دیجائے۔

اچھے سے اچھا آدمی اور برے سے برا آدمی دونوں اسباب کے غلام ہیں۔

عموماً خاندانوں میں مرد نفی ہوتے ہیں اور عورتیں خبیس۔

بہتر سے بہتر عورت میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور محسوس ہوتی ہے۔

شادی کے بعد اگر عورت پر کنوار پنے کی آب نہیں رہ جاتی تو سہاگ کی رونق چہرہ کو چمکا دیتی ہے۔

پیچ براداری سے اگر دب جاؤ تو وہ دباتے ہیں اگر مقابلہ پر تیار ہو جاؤ تو لوگ اپنی نیکی کی وجہ سے اکثر معاف بھی کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر فرائڈ کا خیال ہے کہ ہر عورت میں کچھ جزو مرد کا ہوتا ہے اور ہر مرد میں کچھ جزو عورت کا۔ جو جزو غالب ہوتا ہے اسی طرح کے خیالات اور افعال ہوتے ہیں۔ مردانہ قسم کی عورتیں۔ اور زنانہ قسم کے مرد ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔

اگر غور کیجئے تو پیر بھی ایک طرح کا شوہر ہوتا ہے جس پر مرید اسی طرح تکیہ کرتا ہے جیسے عورت مرد پر۔

ڈپٹی کلکٹری تو ہر شخص کر سکتا ہے مگر تحصیلدار شاعر کی طرح ہوتا ہے۔

دنیا میں کون ایسا ہے جس کو سب اچھا ہی کہنے والے ہوں۔

(ماخوذ)

مڈغاسکر

(دنیا کا چوتھا بڑا جزیرہ)

مشرقی افریقہ کے ساحل سے اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر دنیا کا چوتھا بڑا جزیرہ مڈغاسکر واقع ہے۔ دنیا میں اس سے تین بڑے جزیرے ہیں۔ گرین لینڈ۔

ہو گئی۔ بوزنبو۔ یہ افریقہ سے آسٹریلیا اور ہندوستان سے بحیرۂ قلزم کو جانے والے راستوں کے درمیان ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ فرانس کا جہازی قافلہ جو حال ہی میں افریقہ کے قریب روکا گیا تھا۔ مڈغاسکر سے ہی آیا تھا۔ اسلئے اب برطانوی بحریہ نے اس امر کو نظر انداز نہیں کیا کہ یہ جگہ حملہ آوروں کے لیے بطور پناہ گاہوں کے استعمال ہو سکتی ہے۔ اور جزیرہ کے افسران انکی امداد کر سکتے ہیں۔ نپولین کی جنگ کے زمانہ میں برطانیہ کو ٹوماٹیو پر قبضہ کرنا پڑا۔ جو کہ جزیرہ کی اہم ترین بندرگاہ ہے تاکہ فرانس اسے بطور اڈہ استعمال نہ کر سکے۔

مڈغاسکر کی اہمیت۔ مڈغاسکر کا رقبہ اڑھائی لاکھ مربع میل ہے۔ اور اسکی زمین نہایت زرخیز ہے۔ لیکن یہ جزیرہ سیاحوں کی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا۔ اس کی موجودہ تاریخ ۱۸۹۵ سے شروع ہوتی ہے جب وہاں چھ ہزار باشندے بیماری سے ہلاک ہو گئے تھے اس کے بعد فرانس نے اس جزیرہ کو فتح کر کے اسے اپنی نوآبادی قرار دیا۔ فرانسیسیوں نے ڈیگو سواریز کی تعمیر کی جو دنیا کی بہترین قدرتی بندرگاہوں میں سے ہے خصوصاً اسے برطانوی یورش کے خلاف محفوظ بنایا گیا۔ اب وہاں تارپیڈو کشتیوں کا اڈہ ہے، جہاں آبدوزوں کے علاوہ چھوٹے جنگی جہاز موسمی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ نیوزدے میں خشک ڈاک بنایا گیا۔ جہاں آٹھ ہزار ٹن تک کے جہاز جا سکتے ہیں۔ یہ بندرگاہ اس لیے اور بھی اہم ہے کہ جنوبی افریقہ اور ہندوستان کے راستہ میں آتی ہے۔

رسل و رسائل کے ذرائع۔ مڈغاسکر میں ۲۰ ہزار ایسے فرانسیسی ہو گئے تھے جو وشی کے ماتحت تھے۔ ان کے لئے اب پوزیشن بہت مشکل ہو گئی ہے۔ ہوائی راستہ جس سے جہاز ایک ہفتہ میں مڈغاسکر سے پیرس پہونچ جاتے تھے۔ اب بند ہو چکا ہے۔ بحری تاریں بھی اب برطانوی اسٹیشنوں کے ساتھ ہی جا سکتی ہیں۔ اس لئے رسل و رسائل سمندر کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ وائرلیس کا ایک راستہ ہے سمندری راستہ اب ایک ماہ کا ہے اس جزیرہ میں اب تیل، کپڑا، دھاتوں، سیمنٹ اور کئی دیگر ضروریات کی قلت ہے جو پہلے فرانس سے جایا کرتی تھیں۔

جزیرہ کی تاریخ۔ فرانس کے قبضہ سے پہلے مڈغاسکر میں بادشاہوں کی حکومت ہوا کرتی تھی۔

پیرس کے عہدنامے کے مطابق یہ مقامات برطانیہ کے قبضہ ہی میں رہے لیکن برٹش گورنمنٹ کی پالیسی یہی رہی کہ وہاں کے چالیس لاکھ باشندے خود ہی حکومت کریں۔ لوگوں نے سیاسی شعور کا ثبوت دیا اور مڈغاسکر کے بادشاہ راداما اول کو جیسے کہ نے بہت پسند کیا اس نے لوگوں کو تعلیم دینا شروع کی غلاموں کی تجارت بند کی اور فوج کی تربیت کے لئے برطانوی سپاہی ملازم رکھے۔ مشنریوں کی حوصلہ افزائی کی سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں زبان کا لکھنا شروع کیا گیا۔ اس سے پہلے وہاں تعلیم بالکل نہیں تھی۔ انگریز مشنریوں نے وہاں لوگوں کو ا، ب، پ سکھائی۔

بعد کے واقعات۔ بادشاہ کے بعد اس کی ملکہ نے عنان سلطنت ہاتھ میں لے لی۔ اس نے تمام اصلاحات منسوخ کر دیں۔ یورپینوں کو نکال دیا گیا۔ اور عیسائیوں کو تکالیف پہونچائی گئیں۔ ملکہ کا لڑکا فرانسیسیوں کے غلط ہاتھوں میں پڑ گیا اور اپنی رعایا کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ شہزادہ کی ملکہ بہتر حکمران ثابت ہوئی۔ اس نے برطانیہ فرانس اور امریکہ کے ساتھ معاہدے کئے۔ اس کی جانشین اٹھارہ سو ساٹھ سنہ ۶۰ء میں ایک ملکہ ہوئی جس نے اس امر کی کوشش کی کہ مڈغاسکر کو ایک مہذب اور آزاد سلطنت تسلیم کیا جائے لیکن فرانس نے اس تحریک کی مخالفت کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی ہوئی۔ مڈغاسکر کے لوگ نہ صرف فرانسیسیوں کے خلاف ہو گئے بلکہ تمام عیسائیوں کے بھی۔ آخر فرانس نے سارے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ ملکہ نظر بند کر دی گئی اور جنگ عظیم کے دوران میں مر گئی۔

ہوم رول ایجی ٹیشن اور اصلاحات۔ فرانس کے جسقدر کامیابی دوسری نوآبادیات میں ہوئی یہاں نہ ہو سکی سنہ ۴۶ء میں وہاں ہوم رول کے لئے ایجی ٹیشن ہوا۔ حکومت کو اسکیم کا پتہ چل گیا۔ اور لیڈر نظر بند کر دیئے گئے۔ اس کے بعد تعلیم اور تجارت میں کافی ترقی کی گئی۔ لیکن مقامی لوگوں کو بہت تھوڑی سلف گورنمنٹ دی گئی ان کا کوئی نمائندہ فرانسیسی چیمبر میں نہ لیا گیا۔ اس وقت جزیرہ میں پانچ سو میل لمبی ریل ہے جو سب سے بڑی بندرگاہ ٹوماٹیو کو انٹانا ناریو جزیرہ کے پایۂ تخت سے ملاتی ہے پندرہ سو میل لمبی پکی سڑکیں ہیں آبپاشی کے لئے نہروں کا سلسلہ ہے اور دیگر کئی قسم کی اصلاحات جاری کر دی گئی ہیں۔ آب و ہوا مرطوب ہے خصوصاً ساحلی علاقوں میں مضر صحت ہے اندرونی شہر نہیں

آب و ہوا اچھی بہتر ہے اور وہیں یورپین لوگ رہتے ہیں۔ (نظارہ)

وطن کی خبریں

نوٹ:- اعزہ احباب اور جملہ اہل وطن سے جو باہر ہیں خواہ وطن میں گزارش ہے کہ اپنے یہاں کی قابل اندراج خبریں و اطلاعات دفتر میں روانہ کر کے مشکور کرتے رہیں (اڈیٹر)

موسم

بڑے انتظار کے بعد گذشتہ عشرہ میں پھر ایک اچھا پانی گرا جس نے زراعت کو بہت فائدہ پہونچایا اور حبس و گرمی بھی رفع ہوئی۔ اب کئی دن سے بارش نہیں ہوئی ہے۔ آسمان پر عموماً ابر محیط رہتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی بوندا باندی ہو جاتی ہو کسی روز کچھ پانی نہیں برسا جب آسمان کھل جاتا ہے تو دھوپ بہت سخت ہوتی ہے عموماً ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے کسی کسی وقت اگر ہوا بند ہوتی ہے تو حبس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے مجموعی حیثیت سے موسم خوشگوار ہے۔ کئی دن کے انتظار کے بعد ۲۹ تاریخ کو پھر پانی

آم اب تقریباً ختم ہو چکے ہیں قصبہ کے بازاروں میں تخمی آم بھی اب کم ملتے ہیں۔ قلمی آم تو شروع فصل سے یہاں کی بازاروں میں کم رہا۔ چوروں کے حملوں کی وجہ سے باغات قبل از وقت لوگوں نے خالی کر دئیے اور درختوں سے کچے آم توڑ کر لکھنؤ کی منڈی میں پہونچا دئیے گئے۔ ابتک بارش جس موقع موقع سے ہوئی ہے اور آئندہ بھی اسی طرح وقت پر پانی برستا رہا تو خدا سے اُمید ہے کہ خریف کی فصل اچھی ہوگی۔

آب و ہوا

بفضلہ تعالیٰ اسوقت تک کوئی شکایت فصلی بیماری کی نہیں سُنی گئی۔ شبنم میں شب کو سونے کی وجہ سے کچھ معمولی نزلہ و زکام کی تکلیف لوگوں کو ہو جانے کا حال معلوم ہوا ہے۔ البتہ ڈنکو مکھیوں کی کثرت اور شب کو مچھروں کی زیادتی سے اندیشہ خرابی آب و ہوا کا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ و مامون رکھے۔

زیارت

حسب دستور تکیہ شریف پر ۱۳ رجب ۱۳۶۱ھ (۲۰ جولائی ۴۲ء) بروز سہ شنبہ نماز ظہر و عصر کے درمیان مولائے علی کرم اللہ وجہہ اور حضرات امام حسنین علیہم السلام کے موئے شریف کی زیارتیں ہوئیں تھیں۔ مجمع اچھا تھا۔ لکھنؤ سے بھی کچھ لوگ بغرض زیارت آئے تھے۔ بعد زیارات فاتحہ خوانی ہوئی اور حاضرین میں خواص و عوام کو خرمے بطور تبرک تقسیم کئے گئے۔

ڈیپوٹیشن

معززین قصبہ کا ایک وفد جس میں دس حضرات شامل تھے (حاجی مولوی انوار الحسن صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (لائف مجسٹریٹ) شیخ فخر الحسن صاحب زمیندار و (لائف مجسٹریٹ) منشی اظہر علی صاحب بی۔ اے ایڈوکیٹ ایم۔ ایل۔ اے (مرکزی) حاجی امیر احمد علوی صاحب بی۔ اے۔ (پنشنر ڈپٹی کلکٹر) قاضی راشد علیخاں عباسی بی۔ اے (رئیس اعظم) منشی احترام علی علوی (سابق آنریری اسسٹنٹ کلکٹر۔ مولوی سید محمد بشیر الدین (اڈیٹر کاکوری اخبار) بابو شیو نرائن (زمیندار) بابو جگدمبا پرشاد (پنشنر اسٹیشن ماسٹر و زمیندار) منشی ارشاد علی علوی (زمیندار) بسرکردگی منشی اظہر علی صاحب ۲۰ جولائی ۴۲ء کو سوا دو بجے صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لکھنؤ سے قصبہ کے لوگوں کی بعض انتشاری کیفیات کو بیان کرنے کے لئے گیا تھا۔ منشی صاحب نے ڈپٹی کمشنر صاحب سے ارکان وفد کا تعارف کرانے کے بعد مختصراً کاکوری کی گذشتہ و موجودہ حالت کی تشریح کرتے ہوئے اس وقت جو باتیں قابل اصلاح قصبہ میں ہیں انکی جانب ڈپٹی کمشنر صاحب کی توجہ مبذول کرائی۔ مثلاً قصبہ میں جوئے کی کثرت۔ بعض شورہ پشت و قابل اعتراض چال چلن کے افراد کی قصبہ میں موجودگی۔ تار گھر (جو قصبہ کے اندر صدر ہی سڑک پر ہے) کے یہاں سے ہٹائے جانے کی درخواست۔ غلہ کی گرانی کی وجہ سے عام بے چینی۔ مذکورہ بالا صدر امور پر بالوضاحت منشی صاحب نے روشنی ڈالی۔ جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے بغور تمام باتیں سنیں اور نوٹ کرتے رہے اور آخر میں نہایت ہمدردانہ جواب میں تمام پریشانیوں کا ازالہ کرنیکا وعدہ فرمایا۔ اور غلہ کی گرانی سے متعلق پانچ اشخاص (شیخ فخر الحسن صاحب۔ ڈپٹی امیر احمد صاحب۔ قاضی راشد علی خاں۔ منشی احترام علی۔ بابو شیو نرائن) کو نامزد کیا جو قصبہ میں گرانی کے وجوہ پر غور کرنی اور وقتاً فوقتاً صاحب بہادر کو مطلع

کرتی رہیں۔ وینز ڈپٹی کمشنر صاحب جو احکامات نافذ فرمائیں اُن پر عملدرآمد کرانے کی کوشش کریں۔ قابل اعتراض چال چلن کے لوگوں کے لئے قصبہ میں غنڈا ایکٹ نافذ کرنے کا وعدہ کیا۔ تاڑیخانہ کے متعلق بعد معائنہ موقع موجودہ جگہ سے ہٹائے جانے کے لئے محکمۂ آبکاری میں کوشش کرنے کا وعدہ فرمایا۔ جوئے کی شکایت کو دفع کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے اخلاق اور ہمدردانہ رویہ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ارکان وفد ایک گھنٹہ سے زائد نشست کرکے رخصت ہوئے۔

تقررات

منشی اخلاق احمد علوی ایم۔اے (محلہ باؤلی) کا تقرر اسلامیہ انٹرمیڈیٹ کالج (الٰہ آباد) میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

تبادلہ

منشی عماد الحسن علوی انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز جو بنور سے لکھنؤ تبدیل ہو کر آئے ہیں۔ منشی بشیر احمد علوی بی۔اے جو رخصت پر بمقام حیدرآباد میں مقیم تھے کا تبادلہ انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل (دکن) میں ہوا ہے۔ ہر دو صاحبان نے اپنے مستقر پر پہنچ کر چارج لے لیا ہے۔

ولادت

سُنکر خوشی ہوئی کہ حکیم مرزا شکور بیگ کے گھر میں عرصہ کے بعد فرزند تولد ہوا (۲۰ر جولائی ۴۲ء دوشنبہ) خداوند کریم مبارک فرمائے اور مولود کی عمر دراز و صاحب اقبال کرے۔ زچہ و بچہ بخیریت ہیں۔

صحت و سکون

(۱) والدۂ منشی شفقت علی علوی (ناڑہ کلاں) کے متعلق دریافت ہوا ہے کہ لقوہ کے اثرات زائل ہو رہے ہیں اور بفضلہ طبیعت رو بصحت ہے۔ احتیاط ابھی ہو رہی ہے۔

(۲) مولوی امین الدین علوی (مولوی محلہ) کے چھوٹے بچہ کے پیر میں کانٹا لگ گیا تھا جو نکالتے میں ٹوٹ گیا اُس کی وجہ سے کئی دن تکلیف رہی اب کانٹے کے ٹکڑے نکل گئے ہیں۔ زخم اچھا ہو گیا ہے اور بچہ بفضلہ اچھا ہے۔

علالتیں

(۱) مولوی ضیاء الدین حیدر کو گذشتہ عشرہ میں قلبی تکلیف بڑھ گئی تھی کئی شبانہ روز سخت تکلیف رہی۔ حسب تجویز مقامی ڈاکٹر معالج لکھنؤ سے ڈاکٹر فریدی صاحب کو بلا کر دکھایا گیا تھا۔ جنھوں نے ڈاکٹر معالج کی تشخیص سے اتفاق کیا۔ لیکن نسخہ میں کچھ ترمیم کی اور انجکشن بھی تجویز کئے۔ شدائد میں کمی بتائی جاتی ہے۔ البتہ ضعف شدید ہے۔ اللہ جل شانہٗ مولوی صاحب کو جلد صحیح و تندرست فرمائے۔

(۲) منشی محمد نسیم علوی (محلہ باؤلی) کو اس طرف منہ سے خون نہیں آیا حرارت میں بھی کمی ہے۔ دواؤں کا استعمال ہو رہا ہے اور دو دن کے وقفہ سے انجکشن بھی ہو رہے ہیں۔ خداوند کریم جلد ازالۂ مرض فرمائے۔

(۳) منشی محمد جواد علوی صاحب (محلہ قصبہ) کی شکایات بتدریج کم ہو رہی ہیں۔ اصل مرض فالج میں بھی فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔ باری تعالےٰ منشی صاحب کو صحت عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔

(۴) والدۂ مولوی خلیل احمد عباسی (قاضی گڑھی) کی تکلیف میں کچھ سکون یونانی علاج سے ہوا تھا جو عارضی ثابت ہوا اب پھر حالت بدستور ہو گئی ہے اور درد کی تکلیف تقریباً روزانہ رہتی ہے۔ اب ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا ہے خداوند کریم مریضہ کی شکایات جلد دفع فرمائے۔

حیدرآباد کی اطلاعات

۱۔ وحیدہ خاتون بنت تسنیم زنانہ کالج نامپلی حیدرآباد میں بغرض تعلیم ایف۔اے سال اول داخل ہوئی ہیں اور زنانہ بورڈنگ میں مقیم ہیں۔

۲۔ شمیم اعجاز بنت حضرت اعجاز مرحوم کاکوروی زنانہ کالج صنعت و حرفت میں دو سالہ ٹریننگ کیلئے شریک ہوئی ہیں۔

۳۔ مبین احمد علوی دو سال کیلئے سررشتہ زراعت حمایت ساگر فارم پر منتقل ہوئے تھے، بوجہ ختم مدت اپنی پہلی جگہ پر سررشتہ ڈاک میں واپس ہوئے اور ہیڈ آفس حیدرآباد میں متعین کیے گئے۔ م

سید محمد مشیر الدین نے یونائیٹڈ انڈیا برقی پریس لکھنؤ میں باہتمام سید توسل حسین چھپوا کر دفتر کاکوری اخبار، مولوی محلہ (دلال الی) کاکوری سے شائع کیا۔

۸۔ ۴۰۔ مسٹر مراد و صادق علی عباسی بی۔اے کو محکمہ بندوبست کی ٹریننگ کیلئے گورنمنٹ کی طرف سے اورنگ آباد بھیجا گیا تھا موصوف بعد ختم ٹریننگ واپس آ گئے ہیں۔ خدا کرے جلد کسی جگہ تقرر ہو جائے۔

۹۔ مولوی کاظم رضا صاحب کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے زچہ اور بچہ دونوں بخیریت ہیں۔